

پیمانہ فوز و فلاح..... ترقی یا نجات؟

ترقی! ترقی! ترقی!..... ہر فرد کی کوشش کا محور یہی ہے۔ ہر معاشرہ ترقی کی منزل میں طے کرنا چاہتا ہے۔ ہر حکومت اسی میں ملک و قوم کی کامیابی تصور کرتی ہے۔ انسانی حیات کی ہر تین سطحوں پر یعنی فرد، معاشرے اور حکومت کی کامیابی کا تصور..... ترقی..... کے ساتھ جڑا ہے۔ کامیاب فرد وہی ہے جو مسلسل ترقی کر رہا ہو، کامیاب معاشرہ وہی ہے جو مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن ہو، کامیاب حکومت و مملکت وہی ہے جو ترقی پذیر سے ترقی یافتہ اور ترقی یافتہ سے آگے مزید ترقی کی طرف سفر کر رہی ہو.....!

کامیابی کا پیمانہ 'ترقی' ہے تو 'ترقی' کا پیمانہ فی کس آمدنی Per capita Income یا پھر 'ترقی' کا پیمانہ 'تسخیر کائنات' ہے۔ جس معاشرے میں فی کس آمدنی جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر وہ 'ترقی یافتہ' کہلائے گا۔ مگر اس کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ فی کس آمدنی کا یہ معیار 'تسخیر کائنات' یعنی سائنس و ٹیکنالوجی اور سوشل سائنسز کے علوم کے ذریعے حاصل کیا گیا ہو، نہ کہ قدرتی اور معدنی دولت کے ذریعے۔ اس لئے سعودی عرب یا کویت جتنے بھی مال دار ملک ہوں، فی کس آمدنی بھی اچھی ہو، لیکن ترقی یافتہ نہیں کہلائے جاسکتے۔

اپنی اس اصل میں ترقی شاید کوئی برائی محسوس نہ ہوتی ہو کہ فی کس آمدنی میں اضافہ یا سائنس و ٹیکنالوجی میں اضافہ میں کیا برائی ہے؟ مگر ہم جس عنوان پر بات کرنا چاہتے ہیں وہ ہے: ترقی یا نجات؟ بطور مقصد حیات یعنی انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انسان کی کامیابی کا معیار کیا ہے؟ فوز و فلاح کا پیمانہ اور میزان کیا ہے؟ فرد کی سطح پر ہو یا معاشرہ یا حکومت کی سطح پر، کون سا فرد کامیاب و کامران کہلائے گا؟ کون سا معاشرہ فوز و فلاح پائے گا اور کون سی

حکومت اپنے ملک و قوم کی خیر خواہ مانی جائے گی۔ اس کا جواب آج کی جاہلیتِ جدیدہ 'ترقی' کے نام سے دیتی ہے اور اسلام 'نجات' کے نام سے۔

جاہلیتِ جدیدہ کے ہاں کوئی بھی فرد کامیاب و کامران اس وقت گنا جائے گا جب وہ ترقی کر رہا ہو، اس کے سرمایے میں اضافہ ہو رہا ہو اور وہ 'آزادی' اور 'مساوات' کی اقدار میں آگے بڑھ رہا ہو۔ جبکہ اسلام کی نظر میں کوئی شخص اس وقت کامیاب و کامران گنا جاتا ہے جب وہ دنیا میں ہدایت اور آخرت میں 'نجات' پانے والا بن جائے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ (آل عمران: ۱۸۵)

"کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتشِ جہنم سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔"

نیز فرمایا:

﴿الْمَالُ وَالنَّهْنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا﴾ (الکہف: ۴۶)

"یہ مال اور یہ اولاد محض زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہے۔ اصل میں تو باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے لحاظ سے بہتر ہیں۔"

﴿اللَّهُ يَمْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَقَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ﴾ (الرعد: ۲۶)

"یہ لوگ دنیوی زندگی میں گمن ہیں، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں متاعِ قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں۔"

ہدایت اس دنیا میں اللہ کے پیغمبر کی تعلیمات (قرآن و حدیث) کی پیروی کا نام ہے اور نجات اُس دنیا (آخرت) میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے عذابِ جہنم سے بچ کر نعمتِ جنت میں جانے کا نام ہے۔ دینِ اسلام میں کوئی شخص 'ترقی' نہ کر رہا ہو یعنی نہ تو اس کی دولت میں اضافہ ہو رہا ہو اور نہ وہ دنیا کی تسخیر میں آگے بڑھ رہا ہو، یہ تو ممکن ہے کہ وہ دنیا کی دوڑ میں پیچھے رہ جائے، لیکن اسلام اس کو ناکام و نامراد فرد کے طور پر نہیں لیتا۔ بلکہ ناکام و نامراد تو وہ بد نصیب ہے جو ہدایت نہ پاسکا، وحی کی نعمت کی پیروی سے محروم رہا، توحید کی مٹھاس نہ چکھ سکا، گمراہی و ظلمت کے آندھیروں میں بھٹکتا رہا، وحی کے علم سے بے بہرہ اور اس کی پیروی سے اعراض

کرتا رہا۔ شرک کا زہر گھونٹ گھونٹ بھرتا رہا، مرتا رہا اور نتیجتاً جنت سے محروم اور جہنم کا ایندھن بنا دیا گیا۔

﴿وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
وَتَوَّصَّوْا بِالْحَقِّ وَتَوَّصَّوْا بِالصَّبْرِ﴾ (سورۃ العصر)

”زمانے کی قسم! انسان درحقیقت خسارے میں ہے، سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: رَبُّ أَشْعَثَ مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ
أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لِأَبْرَةٍ“ (صحیح مسلم: ۲۶۲۲)

”ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہت لوگ پریشان حال، بال غبار آلودہ دروازوں سے دھکیلے ہوئے ایسے ہیں کہ اگر اللہ کے اعتماد پر کسی بات کی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اُن کی قسم کو سچا کر دے۔“

تو کیا ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ دنیا کافروں کے لئے چھوڑ دی جائے اور راہبوں کی طرح، صوفیوں اور پنڈتوں کی طرح مردم بیزار اور دنیا سے بے نیاز ہو کر رہا جائے۔ حاشا وکلا! ہمارا مقصد یہ ہے اور نہ ہی اسلام کی تعلیم یہ ہے۔ بلکہ مالک کائنات نے تو ہمیں دعا سکھلائی ہے کہ مانگتے رہیں

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (البقرہ: ۲۰۱)

”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی، اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔“

اور ہمیں یہ تعلیم دی:

﴿وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي
الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ (القصص: ۷۷)

”اور دنیا میں سے اپنا حصہ فراموش نہ کر، احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر، اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔“

تو دنیا اپنی تمام تر زیب و زینت، مال و دولت، عورت و شہرت اور اقتدار و لشکر سمیت لازمہ حیات تو ہے اور ضرورت زندگی بھی مگر مقصود حیات نہیں اور کامیابی کی علامت و ضمانت نہیں۔ مقصود حیات 'ہدایت' ہے اور کامیابی کی علامت و ضمانت 'نجات' ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے ذکر کیا ہے:

﴿نُفِيسَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَبَإِ﴾ (آل عمران: ۱۴)

”لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس: عورتوں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے، وہ اللہ کے پاس ہے۔“

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَا مِنْ غَازِيَةٍ تَغْزُو فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُصِيبُونَ الْغَنِيمَةَ إِلَّا تَعَجَّلُوا ثَلَاثِي أَجْرِهِمْ مِنَ الْآخِرَةِ وَيَبْقَى لَهُمُ الثَّلَاثُ وَإِنْ لَمْ يُصِيبُوا غَنِيمَةً تَمَّ لَهُمْ أَجْرُهُمْ﴾ (صحیح مسلم: ۱۹۰۶)

”جب مجاہد اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور انہیں (امن و سلامتی سے) مالی غنیمت مل جاتا ہے تو انہوں نے اپنا دو تہائی ثواب دنیا میں پالیا اور اگر (مصیبت یا شکست آئے اور) وہ غنیمت حاصل نہ کر سکیں تو وہ پورے ثواب کے مستحق ہوں گے۔“

امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ کے دور مبارک میں فتح فارس کے موقع پر مدینہ منورہ کے بیت المال میں سونے چاندی کے ڈھیر جمع ہو رہے ہیں، لوگ خوش ہو رہے ہیں اور سیدنا عمرؓ رو رہے ہیں۔ ساتھیوں نے وجہ دریافت کی تو بتایا کہ کہیں ہمارے اعمال کا بدلہ اسی دنیا میں نہ مل رہا ہو ہم نے تو وہ آخرت کے لئے کیے ہیں۔

مسلمانوں کا امام صرف نماز کا نہیں بلکہ سیاست کا بھی، صرف مسجد کا امیر نہیں بلکہ خلافت کا بھی امام ہوتا ہے۔ ملک فتح بھی کر رہے ہیں، قوموں کو زیر نگین بھی لا رہے ہیں مگر اس کو کامیابی کا معیار اور کامرانی کی حقیقی علامت نہیں سمجھا جا رہا۔

’جاہلیتِ جدیدہ‘ کے ہاں جب ’ترقی‘ مقصدِ حیاتِ ٹھہری تو باقی ہر چیز پست ہو گئی۔ مذہب، عقیدہ، اخلاق، شریعت جو چیز بھی ترقی کی راہ میں حائل ہو، اسے توڑ ڈالو، تباہ کر دو، بدل دو۔ ترقی کی راہ میں مذہب حائل ہوا تو انہوں نے اسے بیڑیاں سمجھ کر توڑ ڈالا، وحی الہی سے انکار کر دیا، کتاب الہی کو دستور از کارِ رفتہ بنا دیا۔ عقیدہ اگر ترقی کی راہ میں حائل ہوا تو ’لا ادری‘ کہہ کر اللہ پروردگارِ عالم اور آخرت کی جزا و سزا کو اپنی زندگی سے لائقِ کر لیا۔ اخلاق حائل ہوا تو معیارِ اخلاق ہی بدل ڈالا۔ مذہب اور فطرت کی بجائے عالمگیر غلبہ *Universolisation* اور مادی غلبہ اخلاق کا معیار بن گئے۔ حلال و حرام کے الہی ضابطے، ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے تو انہوں نے حلال و حرام کے پیمانے خود گھڑ لئے۔ اب حلال و حرام وہ نہیں جس کو اللہ، کتاب اللہ اور رسول اللہ حلال و حرام قرار دیں بلکہ ہر وہ چیز حلال ہے جو ترقی کی راہ میں معاون بنے۔

آزادی، مساوات، سود، فحاشی، ملکوں پر قبضے، قوموں کا خون، نسلوں کی تباہی ہر شے جائز اور ہر وہ چیز حرام ہے جو ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے۔ علم وہ پسندیدہ ہے جو ترقی میں معاون ہو۔ شخصیت وہی محبوب ہے جو ترقی پسند ہو۔ جو مدرسہ ’نجات‘ کا علم پڑھائے، جو شخصیت ’ہدایت‘ کی طالب ہو، جاہلیتِ جدیدہ کے اس دور، معاشرے اور حکمرانی میں اُس کا نہ کوئی مقام و مرتبہ ہے نہ کوئی وقار و احترام!!

لیکن ایک مسلمان یہ ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو موت و حیات کو امتحان و آزمائش کے لئے پیدا فرمایا ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَنۡتُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملك: ۲)

”جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے۔“

اور مالک کائنات نے حکم فرمایا کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر کی جائے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوْا اَنْفُسِكُمْ وَاَهْلِيۡكُمْ تَارًا﴾ (التحریم: ۶)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے۔“

مگر بد قسمتی سے ہم لوگ (مسلمان) بھی جس شخصیت کو ترتیب دیتے ہیں، جس معاشرہ کو بناتے ہیں اور جو حکومت اور نظام چلاتے ہیں، وہ ترقی کے لئے تو معاون ہوتا ہے اور 'نجات' و 'ہدایت' کے مخالف یا لاتعلق۔ ہمارے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں جو تعلیم دے رہے ہیں، آئندہ نسلوں کی جو شخصیت ترتیب دے رہے ہیں، جو ذہنیت پر وان چڑھ رہی ہے اور جو تعلیمی نصاب بنائے جاتے ہیں وہ سب کے سب طالب علموں کو چند روزہ دنیوی ترقی کے لئے تیار کرتے ہیں۔ سائنس یا سوشل سائنس کی تعلیم ہوتی ہے تو 'ترقی' کے لئے۔ یہاں تو 'اسلامیات' کی تعلیم بھی نجات اور ہدایت کے مقصد کے لئے نہیں بلکہ ترقی کی غرض سے لی اور دی جاتی۔ سائنس پڑھنے والے طلبہ و طالبات ہوں یا سوشل سائنس پڑھنے والے، آپ کبھی ان کے ماحول اور مباحث کو دیکھ لیجئے، سن لیجئے!

میڈیا کے ذریعے قوم کی جو ذہنیت بنائی جا رہی ہے، اخبارات و رسائل، ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے جو تربیت کی جاتی ہے، جو سبق اور تعلیم پھیلائی جاتی ہے۔ ڈرامہ، فلم، ادب، نثر، نظم، افسانہ کے ذریعے جو کچھ سکھایا جاتا ہے، وہ مسلمانوں کو نجات و ہدایت کی بجائے ترقی کو ہی مقصدِ حیات بنانے میں مدد کرتا ہے۔

سماجی سطح پر NGOs، معاشی سطح پر سودی ادارے، سیاسی سطح پر حاکمیت جمہور، عالمی سطح پر IMF، World Bank، UNO وغیرہ سب ہی ادارے ترقی ہی کو انسانی حیات کا مطمع نظر قرار دیتے ہیں۔ اور انسان کو اس کی حقیقی فوز و فلاح اور ہدایت و نجات سے غافل کرنے میں اپنا اپنا کردار بھر پور طریقے سے ادا کر رہے ہیں۔

یوں موجودہ دور کے تمام ادارے سماجی سطح پر ہوں یا سیاسی سطح پر، تعلیمی ہوں یا معاشی، سائنس کے علوم ہوں یا سوشل سائنس کے، ادب ہو یا تاریخ سب کے سب انسانوں کو اسلام اور اس کی تعلیمات سے دور کرنے میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔

اس کے مقابلے میں اسلامی شخصیت، اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت و ریاست ہر سطح پر چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، عقیدہ ہو یا نظام، آخر کار وہ توحید باری تعالیٰ اور آخرت کی

یاد رہانی کے لئے برپا ہوتی ہے۔ آدم سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام کے تمام انبیاء اسی مقصد کو لے کر مبعوث ہوتے رہے۔ وہ کسی رہبانیت کا سبق نہ دیتے تھے، لیکن ترقی دنیا کو بھی انسانی زندگی کا محور نہ بناتے تھے۔ بلکہ دنیا کے ہر معاملے کو وحی الہی کی روشنی میں طے کراتے تھے اور انسان کا مقصد پیدائش عبادت و بندگی اور منتہائے مقصود رضاے الہی اور نجاتِ اخروی کو قرار دیتے رہے۔

اسی مقصد حیات کی تعلیم پیروانِ نبوت نے اپنے معاشروں میں عام کی۔ اسی مقصد حیات کے لیے اسلامی حکومت و خلافت برپا ہوتی رہی۔ اسلامی مدارس جس علم کو پھیلاتے ہیں وہ وحی کا علم ہوتا ہے۔ قرآن و سنت اور ان سے ماخوذ عقیدہ، فقہ اور تزکیہ کے علوم جو انسان کو نجات کی راہ سمجھاتے ہیں۔ فنون، طب، ہندسہ، کیمیا، فلسفہ، منطق وغیرہ یا تو رد کے لئے سکھائے جاتے ہیں یا پھر تخصص اور دیگر ضروریات کے لئے، اس لئے یہ علوم فرض کفایہ ہیں۔ جو علم فرض عین ہے وہ مقصود حیات یعنی ہدایت و نجات کا علم ہے، نہ کہ آسائش و ترقی کا علم یا خواہشاتِ نفس کو پورا کرنے کا علم۔ ہدایت و نجات کا بنیادی علم جو کہ فرض عین کی حیثیت رکھتا ہے، جانے اور ماننے بغیر کوئی شخص ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر لے یا انجینئر، ڈاکٹر اور سائنسدان بن جائے، اسلام کی نظر میں وہ جاہل یا ماہر فن تو ہوگا، کوئی عالم ہرگز نہیں۔

اسی طرح کوئی بھی معاشرہ اور حکومت جو بندگیِ رب، عدل اور نجات کے بجائے فقط آزادی، مساوات اور ترقی کی اقدار پر قائم ہو، اسلام کی نظر میں وہ جاہلی معاشرہ اور طاغوتی حکومت گنی جائے گی جو اپنے افراد و عوام کو اللہ کی رضا اور جنت کی بجائے اللہ کے غضب اور جہنم کی طرف لے جانے کا سبب اور وسیلہ بنے گی۔

یاد رہے کہ ترقی و منزل کا یہ وہ تصور ہے جو جاہلی معاشروں میں پایا جاتا ہے اور مادی پیمانوں میں تو لا جاتا ہے۔ عروج و زوال کا اسلامی تصور اس سے بالکل الگ شے ہے۔ اسلامی حوالے سے تو ترقی مقصد حیات نہیں بلکہ نجات مقصد حیات ہے، لیکن کیا جاہلی اعتبار سے بھی انسان اور دنیا ترقی کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ بعض مفکرین کا یہ کہنا ”انسان نے پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنا تو سیکھ لیا ہے اور مچھلیوں کی طرح سمندر میں تیرنا سیکھ لیا ہے، لیکن انسان کی

طرح زمین پر رہنا نہیں سیکھ سکا۔“ اسی طرح یہ قول کہ ترقی صرف ایشیا میں ہوئی ہے نہ کہ انسانیت میں، انسان تو پہلے سے بڑھ کر ظالم و جاہل، متکبر و سرکش، حرص و ہوس کا بندہ بن کر رہ گیا ہے اور ترقی صرف سائنس و ٹیکنالوجی میں معلوم ہوتی ہے۔

لیکن خود اس نقطہ نظر پر بھی..... کہ سائنس و ٹیکنالوجی میں شاندار ترقی ممکن ہوئی ہے.....

مختلف مفکرین تنقید کرتے ہیں۔ ذرا اس بات کو بھی سنئے، زاہد صدیق مغل اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:

”..... کئی دوسرے معیارات سے گھوڑا اور گدھا کار کے مقابلے میں زیادہ بہتر سواری کا نظام فراہم کرتے ہیں مثلاً گھوڑے، اونٹ وغیرہ کی سواری کا یہ کمال تھا کہ یہ سواری ہر سال دو چار بچے بھی دیتی تھی اور اس وجہ سے لوگ ایک دوسرے کو اپنی سواری مستعار دینے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتے تھے اور اس کی انشورنس بھی نہیں کرائی جاتی تھی۔ اس میں پٹرول ڈلوآنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ارد گرد موجود زرعی زمینوں اور چراگاہوں سے اس کی خوراک کا بندوبست ہو جاتا تھا۔ اس سواری کا سفر اتنا سستا تھا کہ اس پر بیٹھ کر امام بخاری نے کئی ممالک کا سفر کیا، اگر یہ سواری ضائع ہو جاتی تو دوسری سواری خریدنا ناممکن نہیں ہوتا تھا۔ اگر سواری میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا تو اس کو ذبح کر کے کھالیا جاتا، یہ سواری کسی قسم کی ماحولیاتی آلودگی کا باعث نہیں تھی۔ اس کا گوہر تک کھاد کے کام آتا تھا۔ اس سواری کی دیکھ بھال کے لئے بڑے بڑے ورکشاپ کھولنے کی ضرورت بھی نہیں پڑی، جہاں بیٹھے ہوئے کارندے لوگوں کو بیوقوف بناتے ہوں۔ مالک اس سواری کے کل پرزوں کو اور طریقہ کار کو جان سکتا تھا اور جانتا تھا، وہ اس کی خوبیوں، خرابیوں سے واقف ہوتا تھا۔ اس کو درست کرنے اور درست رکھنے کے لئے اسے سات سمندر پار سے ماہرین، بروشر، ٹیکنالوجی ایکسپٹ اور ہزاروں قسم کے ماہرین کی ضرورت نہ تھی۔ پھر اس سواری کا سب سے بڑا فائدہ انسان کا صحت مند وجود تھا۔ گھوڑے کی پیٹھ پر پندرہ کلومیٹر سفر کرنے کے بعد نہ کسی کو حملہ قلب ہوتا تھا اور نہ بلڈ پریشر بڑھتا تھا، نہ شوگر ہوتی تھی اور نہ سونے کے لئے نیند کی گولیاں کھانی پڑتی تھیں اور نہ جسم میں طرح طرح کے درد نکلتے تھے جو آج کل کے پیٹ بھروں اور آرام پسندوں کو لاحق ہو گئے ہیں..... بتائیے کیا سائنس و ٹیکنالوجی کے ماہرین ان معیارات پر کار کا موازنہ گھوڑے اور اونٹ گاڑی سے کرنے کیلئے تیار ہوں گے؟“ (سائنسی علیت اور اسلام، غیر مطبوعہ)

اس گفتگو سے مقصود یہ ہے کہ خود ترقی کے مادی معیارات بھی مختلف ہوتے ہیں اور ترقی ماننے کا کوئی عالمگیر پیمانہ نہیں ہے، لیکن کسی بھی پیمانے پر ترقی انسان کا مقصود حیات بن جائے یا فوز و فلاح کی میزان بن جائے اور نجات و ہدایت کے مقصد حیات کو بھلا دے تو تباہی اور گمراہی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ آج پوری انسانیت بالعموم اسی جہالت کے گڑھے میں دھنستی جا رہی ہیں جہاں اس نے نجات و ہدایت کی بجائے ترقی و مادیت کو اپنا مقصود قرار دے دیا ہے اور اسی کو کامیابی کی راہ سمجھ لیا گیا ہے۔ جبکہ اسلام کے نزدیک مادی ترقی یا مادی انحطاط کا حقیقی کامیابی سے کوئی تعلق نہیں۔

پرانے زمانے میں بھی کئی قومیں ایسی ہو گزری ہیں جنہوں نے تمدن، بود و باش اور عمارت سازی میں بہت ترقی کر لی تھی۔ اس مادی ترقی اور اس پر ان کے گھمنڈ کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ (قصص: ۱۵)

”عاد کا حال یہ تھا کہ وہ زمین میں کسی حق کے بغیر بڑے بن بیٹھے تھے اور کہنے لگے: ”کون ہے ہم سے زیادہ زور آور“..... ان کو یہ نہ سوچا جس خدا نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ زور آور ہے۔“

اسی طرح فرعون مصر اور قارون کا حال قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ فرعون مصر کے دور کی ترقی کا حال تو آج بھی اہرام مصر سن رہے ہیں، لیکن فرعون اور قارون اپنی جاہ و حشمت سمیت غرق آب کر دیئے گئے اور زمین میں دھنسا دیئے گئے اور آخرت میں جہنم کا ایندھن بنا دیئے گئے۔ یوں مادی ترقی ان کے لیے فوز و فلاح کا سبب نہ بن سکی، نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں! ان کے مقابلے میں قرآن مجید اصحاب کہف اور اصحاب الاخدود کے واقعات سناتا ہے جو اس دنیا میں تو ’ترقی‘ کی راہ پر گامزن نہ تھے بلکہ اپنے معاشرے اور حکمرانوں کے زیر عتاب آ کر رہے، لیکن آخرت میں حقیقی فوز و فلاح سے ہم کنار ہوئے۔